دُکھ لال پَرندہ ہے

علی محمد فرشی

دکھ لال پرندہ ہے

دکھ لال پرندہ ہے

ماہیے

علی محمد فرشی

لیو بکس اسلام آباد

LEO BOOKS

جملہ حقوق محفوظ

اشاعت 1998ء

تعداد ایک ہزار

مطبع پرنٹ سٹائل۔10اے پوٹھوہار پلازہ بلیو ایریا
اسلام آباد۔فون:2270432

ناشر لیو بکس۔5اے پوٹھوہار پلازہ بلیو ایریا
اسلام آباد۔فون:2821631

قیمت -/100 روپے

رابطہ مصنف
16-الکرم پلازہ، رانی مارکیٹ ٹینچ بھاٹہ
راولپنڈی۔فون:5582082

یعقوب اور جابر کے نام

کھلتا نہیں دروازہ
کوئی اسم عنایت کر
کچھ حرف کھلیں تازہ

دل پاک مدینہ ہے
ہو غار حرا جیسے
روشن مرا سینہ ہے

کفنی کو دھو لیتے
زم زم ترے پانی میں
ہم دل کو بھگو لیتے

مشکیزہ بھرا رکھنا
صحرا کے مکینوں کا
دکھ دل میں ہرا رکھنا

بادل کبھی ہوتے ہم
گوری تری گلیوں پر
دل کھول کے روتے ہم

جلتے ہوئے لب رکھے
ہم نے ترے باغوں کے
انگور نہیں چکھے

اک پیار کہانی تھی
میں پیڑ تھا صندل کا
وہ رات کی رانی تھی

بل ڈال پراندے میں
دل گوندھ لیے تو نے
اک لال پراندے میں

شب ماگھ مہینے کی
مجھے اوڑھ لے تو ڈھولا
میں شال مرینے کی

جوڑا کوئی موروں کا
نا بھید کھلے مولا
دو پیارے چوروں کا

شب لمبی ہو جائے
مرے جاگتے ہونٹوں پر
ترا بوسہ سو جائے

سکھ موتی لاؤں گی
ڈھولا ترے ہنسوں کو
میں چوگ چگاؤں گی

کرتی کوئی دھانی تھی
اس سال تو گاؤں میں
بس تیری کہانی تھی

ساون کی ہوا تھی وہ
میں پیاس کا صحرا تھا
گھنگھور گھٹا تھی وہ

کب شام ہری ہوگی
چھاگل تری باتوں کی
خوشبو سے بھری ہوگی

ہے قصہ جوانی کا
آغاز میں لکھ دینا
انجام کہانی کا

اک پیڑ ہے گاؤں میں
بس دھوپ ہی ایسی تھی
ہم جل گئے چھاؤں میں

حالات کی آری ہے
کٹتی ہے سزا جیسے
یوں عمر گزاری ہے

ہانڈی میں ابال آیا
جوش اترا جوانی کا
تب مورکھ پچھتایا

شاداب نہیں کرتی
اب یاد تری ڈھولا
بے تاب نہیں کرتی

کوئی ہجر میں جلتا ہے
ساون تری گلیوں سے
رو رو کے گزرتا ہے

سر باندھا صافے سے
ڈھولا ! خط کیا لکھوں
غم بھاری لفافے سے

بادل اسے کہتے تھے
ساون بھری باتوں میں
ہم بھیگتے رہتے تھے

میں برسوں کھڑا رہتا
ترے صحن میں پیپل پر
اک جھولا پڑا رہتا

دریا کا کنارا ہے
ترے پیار کی ناؤ نے
کسے پار اتارا ہے

چنگیر گلابوں کی
کس نے مجھے لا رکھا
دکان پہ خوابوں کی

دو ہونٹ رسیلے ہیں
جلتے ہوئے تھل ماہی
کل شام سے گیلے ہیں

ماہیے تو بہت گائے
اک حرف تمنّا کا
ہونٹوں پہ نہیں لائے

جوبن کی جھکی ڈالی
گوری ترے باغوں کا
موسم بڑا چترالی

اک خواب جوانی کا
ست رنگی نیند اڑی
سر صدقہ جانی کا

کوئی دور اُڑے طوطا
اک شاخ اجڑنے پر
جنگل بھلا کیوں روتا

سودائی بنا دے گی
مجھے پیچھے ہواؤں کے
اک نار لگا دے گی

ترے صحن میں بیری تھی
کچھ پاؤں بھی زخمی تھے
کچھ چھاؤں گھنیری تھی

جگنو ترے بستے میں
وہ صبح اندھیری تھی
میں کھو گیا رستے میں

تھانے کی حوالاتیں
بن تیرے کٹیں کیسے
جیون کی کڑی راتیں

گاؤں سے چلا جوگی
کیوں راستے روتے ہیں
جب کوئی نہیں روگی

پیپل کا گھنا سایا
جو شہر گیا گبھرو
وہ مڑ کے نہیں آیا

آندھی میں جھکی بیری
دل زور سے دھڑکا ہے
رب خیر کرے تیری

ساون کی گھٹا لکھنا
تم پریم کہانی میں
وہ شخص ہوا لکھنا

بادل نہ کبھی برسے
وہ شخص سمندر تھا
اک بوند کو ہم ترسے

دریا سے اڑے بگلے
اب اس کی محبت میں
وہ بات کہاں بگلے

کوئی شال مرینے کی
تاریخ یکم پیاری
ہر بار مہینے کی

پانی سے بھرے بادل
گوری تری آنکھوں میں
کیوں پھیل گیا کاجل

کوئی بات نہیں ڈھولا
تو نے مری چاہت کو
کبھی پورا نہیں تولا

اک خواب سناتے تھے
تتلی کے پروں پر ہم
اڑتے ہوئے جاتے تھے

پروائی جلاتی ہے
آنگن میں کھڑی گوری
جب بال سکھاتی ہے

زردی ترے گالوں کی
اک تلخ کہانی ہے
گزرے ہوئے سالوں کی

اک پیڑ تھا سیبوں کا
میں گاؤں کا سادہ لوح
وہ شہر فریبوں کا

جادو بھری باتوں میں
وہ نار گنوا بیٹھی
کیا چاندنی راتوں میں

دل کھول کے روتی ہے
فرشی ترے ماہیوں میں
کوئی بات تو ہوتی ہے

جھرنے سے گرے پانی
ضدی تھا بہت ڈھولا
کوئی بات نہیں مانی

کوئی پھول سرہانے کا
چٹکی میں لے گیا دل
قزاق زمانے کا

بور آیا پھلاہی پر
ساون کی طرح برسا
جوبن مِرے ماہی پر

شہتوت کا بوٹا ہے
کرتی ہوں یقیں جس پر
وہ شخص تو جھوٹا ہے

کوئی دور اڑے بدلی
کسے ڈھونڈنے نکلی ہے
کھو بیٹھی ہے کیا پگلی

سودائی بنا دیں گی
دو جادو بھری اکھیاں
تعویذ پلا دیں گی

آوارہ سے ہم گھومیں
جس خاک پہ تم آؤ
اُس خاک کو ہم چومیں

پھر کاگ منڈیر آئے
وہ خود نہ کبھی آیا
پیغام تو ڈھیر آئے

اک بیل ہے توری کی
دیوار نہ روک سکے
حوشبو کسی گوری کی

ہے روگ یہ اندر کا
ہم پھول سمجھ بیٹھے
وہ شخص تھا پتھر کا

واپس نہ کبھی آتے
تتلی کے تعاقب میں
ہم دور نکل جاتے

اک رات کو روتی ہے
ہر صبح وہ آنگن میں
جب دودھ بلوتی ہے

تقدیر نہیں بھولی
کھلتے ہوئے چیتر میں
مہکی تھی بہت سولی

پھانسی کہیں ہوتی ہے
شب کالی ردا والی
مرے صحن میں روتی ہے

حلاج کی سولی تھی
کیا چیز تھی ٹھکرائی
کیا بات قبولی تھی

رستے میں جنازہ ہے
دکھ تیرے بچھڑنے کا
ابھی شہر میں تازہ ہے

درپیش سفر آئے
ویران منڈیروں پر
جب کاگ نظر آئے

مجذوب کوئی بولے
سُنسان خموشی کا
دروازہ کوئی کھولے

مہماں ترے گاؤں میں
میں آخری پتہ ہوں
سفاک ہواؤں میں

اک بات کو ترسے ہیں
اب تم سے شکایت کیا
ہم خود پہ ہی برسے ہیں

دو میٹھے مکھانے تھے
دکھ میلے زمانے کے
کب تم سے چھپانے تھے

ہم خاک میں کیوں رلتے
اک دن تری آنکھوں کے
دربار اگر کھلتے

بادل بھرے پانی سے
تجھے دیکھتے رہتے ہیں
پیاسے حیرانی سے

رنگ لال قمیصوں کے
رونے سے نہیں دھلتے
کچھ داغ نصیبوں کے

مرکی میں لگا ہیرا
ہر گھبرو چیخ اٹھا
گوری! مرا دل چیرا

نی! شہد بنانے والیے
کیوں تشنہ مجھے رکھا
ہونٹ چکھانے والیے

پھولوں پر تتلی تھی
بھیگی ہوئی رنگوں میں
وہ کھیت سے نکلی تھی

رنگین مدھانی تھی
چڑھتے ہوئے دریا تھے
مُنہ زور جوانی تھی

مٹیار وہ گاؤں کی
تھامے ہوئے بیٹھی ہے
دیوار اناؤں کی

بچپن کی ہری بیلیں
دالان میں چھپ جائیں
آنگن میں کبھی کھیلیں

تتلی کو ستاتے تھے
بستے میں ترے اکثر
ہم پھول چھپاتے تھے

دل سلگے سینے میں
جب رات کو بارش ہو
پت جھڑ کے مہینے میں

پلکوں سے لگا لے گی
ٹکڑے مرے چن چن کے
ماں جائی سنبھالے گی

اک نار تھی سرسوں میں
اک پل کا قصہ ہے
ہم بھولیں گے برسوں میں

برسات کے دن آئے
وہ شخص نہیں آیا
صدمات کے دن آئے

دو نین تھے چھاگل سے
کچھ اور نہ تم پوچھو
ہم لوگ ہیں پاگل سے

جنگل میں پی بولے
مرے پیار کے امرت میں
دنیا کیوں بس گھولے

کھیتوں میں کھلی سرسوں
دیکھیں ترے وعدے کی
کب ہوتی ہے کل پرسوں

ہیں موتی چھلیوں میں
کبھی دیکھ سخی سوہنے
ہم رل گئے گلیوں میں

تھیوے کا لشکارا
تو نے مری چھاتی پر
کب تیر نہیں مارا

پیپل اک آنگن میں
یہ کون سلگتا ہے
ترے پیار کے ساون میں

بازار میں سیب آئے
اس بار بھی لگتا ہے
وہ دینے فریب آئے

گاگر بھری پانی کی
عمروں کے لئے کافی
اک شام جوانی کی

چالاک بناتی ہیں
شفّاف تری آنکھیں
کوئی بات چھپاتی ہیں

رس کان میں گھولے گی
زیتون کے پیڑوں پر
کبھی فاختہ بولے گی

اک پیار کہانی ہے
تھے خواب نئے اپنے
تعبیر پرانی ہے

پاؤں میں پڑے چھالے
مرے گاؤں کے گبھرو نے
سپنے تھے بہت پالے

تارے نظر آئیں گے
جس دن تجھے ڈولی میں
ماں باپ بٹھائیں گے

چالاک بڑی ہو تم
مٹھی میں چھپا کر دِل
خاموش کھڑی ہو تم

بے باک جوانی تھی
سرسوں میں کھڑی گوری
کس گاؤں کی رانی تھی

ہم پھول کھلاتے تھے
اسکول سے جب واپس
ہنستے ہوئے آتے تھے

تم ہار گلابوں کے
کبھی دیکھنا لفظوں میں
ہم پھول کتابوں کے

صحرا مرے اندر کا
وہ بیل چنبیلی کی
میں پیڑ تھا کیکر کا

صحرا مرے اندر کا
میں دشت کی جلتی دھوپ
وہ پیڑ صنوبر کا

صحرا مِرے اندر کا
میں جھیل کی خاموشی
وہ شور سمندر کا

صحرا مرے اندر کا
سیراب کرے بادل
شہباز قلندر کا

سیبوں بھری تھالی تھی
سرخی ترے گالوں کی
کبھی دیکھنے والی تھی

ملنے کو نہیں ترسے
بادل تری یادوں کے
اس سال نہیں برسے

آنچل کوئی دھانی تھا
جلتے ہوئے جوبن پر
برسات کا پانی تھا

امرود کی گولائی
ہمیں بھوک محبت کی
بازار میں لے آئی

تندور تپاتی ہے
ایندھن مری ہڈیوں کا
اک نار بناتی ہے

جوگی کیوں روتا ہے
کتوں سے کبھی دریا
ناپاک بھی ہوتا ہے

کیوں خاک سلگتی ہے
تو پاؤں جہاں گوری
بھیگے ہوئے رکھتی ہے

دریا سے اڑیں پریاں
پنگھٹ بھی ہوئے سونے
ویران ہوئیں گلیاں

تھل راستہ کیا روکیں
جو لوگ ہوں دیوانے
کیا ان کو بھلا ٹوکیں

دریا کوئی بہتا ہے
دکھ سارے زمانے کے
چپ چاپ وہ سہتا ہے

گاؤں کی کڑی رسمیں
لیکن یہ جوانی تو
رہتی ہی نہیں بس میں

کچھ کھو گیا میلے میں
اب رات کو چھپ چھپ کے
ہم روئیں اکیلے میں

دو پھول سے کھلتے تھے
املی کے درختوں میں
چھپ چھپ کے ملتے تھے

مسواک پھلاہی کا
بوسہ تھا بہت شیریں
مستانے ماہی کا

سینے سے اٹھے ہو کے
جو خود تری پاگل ہو
سکھیوں کو کیا روکے

رومال بھگوتی ہے
وہ میل بھری باتیں
صابون سے دھوتی ہے

چڑیاں کبھی چہکیں گی
انگور کی بیلوں پر
باتیں تری مہکیں گی

ڈر ڈر کے ذرا جھانکا
گوری مرے کرتے کا
جب تو نے بٹن ٹانکا

بہتے ہوئے دھاروں کا
دکھ کوئی نہ سمجھے گا
دریا کے کناروں کا

سکھیوں کو تڑپاؤں
دل تیری اٹریا پر
اک روز میں رکھ آؤں

لبریز تری باتیں
مصری کی طرح دن تھے
امرت کی طرح راتیں

دل جیل بنا لیتے
گوری تری بگیا سے
دو سیب چرا لیتے

مصری کی ڈلی ہو تم
یا شہد کی بوتل ہو
رس گھول چلی ہو تم

دریاؤں میں طغیانی
جذبات کی موجوں پر
بہتا ہوا دل جانی

ڈر کاٹ دیئے میں نے
آواز کی تتلی کے
پر کاٹ دیئے میں نے

دنیا سے چھپاتی ہوں
نام اس کا ہواؤں میں
لکھ لکھ کے مٹاتی ہوں

ترے دور محل مائے
بابل کو بتا دینا
ہم بھول نہیں پائے

دن سلگیں بھادوں کے
سر شار کبھی کرتے
چھینٹے تری یادوں کے

برسات کے جھالوں میں
لپٹا ہوا شعلہ ہے
وہ برف کے گالوں میں

کہہ دوں چنبیلی سے
ہر روز چھپاتی ہوں
جو بات سہیلی سے

جلتے ہوئے لب سائیں
ہم نے تری بارش میں
رکھے تھے کب سائیں

رستہ کوئی جنگل کا
جس روز وہ بچھڑا تھا
وہ روز تھا منگل کا

کوئی بہتا سواں آئے
بارانی زمینوں کے
دکھ سہتا سواں آئے

سب جھگڑے مُک جائیں
اڑتے ہوئے رتھ سائیں
سانسوں کے رک جائیں

جوتی ملتانی تھی
مرے پاؤں کی قسمت میں
ہجرت لافانی تھی

سپنی ترے گاؤں کی
ہر شب مجھے ڈستی ہے
کلکاری ہواؤں کی

کیا دل کی دوا لیتے
یاقوتی ہونٹوں سے
ہم کیوں نہ شفا لیتے

دل اک چوبارے پر
دنیا مرے قدموں میں
میں تیرے دوارے پر

شہنائی بجے ڈھولا
سوہنی پیشانی پر
سہرا بھی سجے ڈھولا

دن جیسے تیز چھری
گزرے نہ جدائی کی
ست خصمی رات بری

کفنی کوئی سلتی ہے
کب اس کو خبر میری
اس شہر میں ملتی ہے

موتی ناں ڈل جائیں
ترے لوٹ کے آنے تک
کچھ لوگ نہ رل جائیں

ہمزاد بہت رویا
کیوں میرے گلے لگ کر
بغداد بہت رویا

کوئی دور ستارا ہے
گوری ترے جوگی کو
صحرا نے پکارا ہے

خوشبو نہ چھپا گوری
رنگ اپنی بہاروں کے
کچھ ہم کو دکھا گوری

کچنار کی کلیاں ہیں
خوشبو تری پوروں کی
مہکی ہوئی گلیاں ہیں

شہتوت کے دو دانے
دل نے تو بہت روکا
مرے ہونٹ نہیں مانے

کُرتی کوئی جالی کی
ترے پیار سمندر سے
اک بوند سوالی کی

بارات کی روٹی ہے
میں خوب سمجھتی ہوں
نیت تری کھوٹی ہے

دو چار سخی بادل
اک روز اتر آئیں
صحرا میں کبھی بادل

تاریک مری راتیں
ہونٹوں پہ رکھیں اس نے
کچھ رنگ بھری باتیں

لبریز کٹوری تھی
چھلکا ہوا موسم تھا
بہکی ہوئی گوری تھی

بادل کوئی بھورے ہیں
سوکھے ہوئے ہونٹوں پر
کچھ بول ادھورے ہیں

بستے بھرے خوابوں کے
تقدیر میں لکھے تھے
دکھ درد کتابوں کے

بازار کپاس آئی
دہقان کی بیٹی کو
کیوں چاندی نہ راس آئی

اک آس پہ چلنا ہے
دو چار قدم آگے
منظر نے بدلنا ہے

دل سخت مشینوں کے
خواب اس نے کہاں دیکھے
شاداب زمینوں کے

چمنی سے دھواں نکلے
دکھ کاٹنے شہروں کے
گاؤں سے جواں نکلے

سل کالی کراچی کی
اسے توڑ کے رکھ دے گی
مل کالی کراچی کی

خط آئے کراچی سے
لپٹے ہوئے کفنوں میں
دل لائے کراچی سے

پانی دریاؤں میں
تجھے روکتے کیوں ماہی
سیلابی گاؤں میں

چھوٹا سا تِل ماہیا
ترے ہونٹ کناروں پر
مرا پیاسا دل ماہیا

دریا کے چڑھے ریلے
اتری ہوئی موجوں کے
دکھ تو نے کہاں جھیلے

جگ سارا سوتا تھا
سینے سے مرے لگ کر
پردیسی روتا تھا

جھرمٹ کوئی تاروں کا
چن ! تیری جدائی میں
بستر انگاروں کا

جوگی کا کہاں ڈیرا
تری کجلی آنکھوں میں
دن ڈوب گیا میرا

دکھ لال پرندہ ہے
ست رنگا خواب ترا
مرے خون پہ زندہ ہے

دیدار ملے سائیں
امید کی شاخوں پر
کوئی پھول کھلے سائیں

کرتے کے بٹن ٹانکو
گوری مرے اندر بھی
اک دن کبھی تم جھانکو

بازار بکے ہلدی
مرے شہر کے خوابوں میں
کیوں پھیل گئی زردی

طوطے سبھی چوری کے
اب کون نبھاتا ہے
رشتے مجبوری کے

اک پیڑا آٹے کا
وہ پیار میں کیوں کرتا
سودا کوئی گھاٹے کا

شوکیس میں دو ہیرے
ڈھولا ! مرے خوابوں کا
مہنگائی دل چیرے

بجلی لہراتی ہے
چت چور کمریا پر
ناگن بل کھاتی ہے

بادل کہیں چھائے ہیں
گوری تری جھیلوں سے
ہم پیاسے آئے ہیں

کوہ قاف سے آ پریئے
اک لال محلکے پر
مرے خواب اڑا پریئے

بدلی کوئی دور اڑتی
کبھی دودھیا گاڑی بھی
گاؤں کی طرف مڑتی

کشکول نہیں بھرتا
کنجوس، جوانی کی
خیرات نہیں کرتا

تقدیر بدل دے گا
یا دست حنائی پھر
زنجیر بدل دے گا

چادر کوئی چترالی
اب کیسے کہوں مائے
اک بات حیا والی

ترے پیار کا صندل تھا
مہکی ہوئی سانسیں تھیں
بھیگا ہوا جنگل تھا

تندور تپاؤں گی
تیز آگ محبت کی
میں کیسے چھپاؤں گی

پازیب کھنکتی ہے
آواز کوئی دل پر
زنجیر سی لگتی ہے

یاقوت پرستانی
ہم نے ترے ہونٹوں کی
کب بات نہیں مانی

گندم کی ہری بالی
ترے پیار کی بارش میں
کیوں سیپ رہے خالی

سنسان حویلی تھی
کل شب وہ کھلی مجھ پر
پیچیدہ پہیلی تھی

بصرے کی کھجوریں ہیں
دیکھی ہیں تری سکھیاں
کس باغ کی حوریں ہیں

اک آگ لگا دی ہے
تو نے مری چھاتی میں
کوئی مشک مچا دی ہے

تنہائی میں رس گھولے
ہر شام کو ٹی وی پر
ساجن ترا ناں بولے

دریاؤں میں طغیانی
برسات کا موسم ہے
آنکھوں میں نہیں پانی

بدلی کوئی پاگل تھی
جلتی ہوئی چھاتی پر
ترے پیار کی چھاگل تھی

دریائی کونج اُڑے
تو کیسے گنوا بیٹھی
سونے سا ڈھول کڑے

بازار بکیں موتی
گر جاگ رہے ہوں خواب
تقدیر نہیں سوتی

پازیب سنہری تھی
دشمن کب اندھے تھے
کب دنیا بہری تھی

مل مل دھوئے چولی
کچے برتن میں کیوں
مشک محبت گھولی

پاگل ساون برسے
شام پڑے تو گوری
نکلی تھی کیوں گھر سے

اک بے نام سا رِشتہ
میں پاگل سودائی
وہ انجان فرشتہ

صندل صندل چھاؤں
پاؤں ہیں میرے زخمی
دور پیا کا گاؤں

سولہویں سال کی باتیں
خوابوں کی بارش میں
جل تھل ہوتی راتیں

تار پہ کپڑے پھیلے
اجلی باتوں والے
نکلے دل کے میلے

تیری سیج گلابی
اپنے باغوں سے کچھ
سپنے بھیج گلابی

دور چمکتے تارے
کروٹ کروٹ روئیں
ہم خوابوں کے مارے

کتنا درد کو کاتیں
لمبی ہوتی جائیں
ڈھولا! کالی راتیں

انگوری آنکھوں میں
ہچکولے لیتی تھی
مجبوری آنکھوں میں

املی کا چٹخارہ
کھٹ مٹھی باتوں میں
گوری میں دل ہارا

دل گہرے بھید سجن
تو رکھنا لاج مری
چھلنی میں چھید سجن

جب قسمیں کھاتی ہو
بھیگی ہوئی آنکھوں میں
کوئی بات چھپاتی ہو

ہم ہوش گنوا بیٹھے
ترے ہونٹ کبوتر جب
چھاتی پر آ بیٹھے

اسکول کا رستہ ہے
اک حرف پیاسا دل
دکھ درد کا بستہ ہے

شہزادہ نہیں آتا
کوئی میری رہائی کا
پیغام نہیں لاتا

چوری کی ملاقاتیں
اک روز دکھا دیں گی
تھانے کی حوالاتیں

پھاگن کی جھڑی ڈھولا
ہر نئی سہاگن پر
تنہائی کڑی ڈھولا

اک جوڑا ہنسوں کا
جس جھیل پہ اترا تھا
واں رقص ہے رنگوں کا

تو روٹھ کے سویا تھا
اک باوری بارش نے
دل خوب بھگویا تھا

دو پیڑ چناروں کے
دیکھے ترِی برفوں میں
دکھ درد انگاروں کے

دو پیالے چھلکے تھے
اک ساوَنی بارش میں
لب پیاسے تھل کے تھے

جاپانی گلدستے

ترے پاؤں کی خوشبو سے
مہکے نہ کبھی رستے

دو بول پڑھا ساجن
نازک ہے بہت رشتہ
مضبوط بنا ساجن

تری پینگ ہلارے پر
نہیں تجھ کو خبر جیٹے
کیا گزرے کنوارے پر

انگار بھگو لیتے
دل تیری گگریا میں
تھوڑا سا ڈبو لیتے

ماہیا مرا گاؤں کا
سمجھاؤ گے کیا اس کو
مفہوم وفاؤں کا

"دروازہ کھلا رکھنا"
وہ لوٹ کے آئے گا
تم دل میں جگہ رکھنا

جن مست جوانی کا
لوبان کی دھونی میں
دل سلگے رانی کا

پنجرے میں دو طوطے
تقدیر کے لکھے کو
آنسو تو نہیں دھوتے

ہر رات بچا لے گی
کانٹے مرے سینے کے
شہناز☆ نکالے گی

لٹھا پٹواری کا
لکھنا مری کفنی پر
کلمہ دلداری کا

☆شریک حیات

پوری نہ ہوئیں قسمیں
ماہی سے گلہ کیسا
دنیا کی بری رسمیں

کیوں موت سے ڈرتے ہم
امرت ترے ہونٹوں کا
پیتے ہوئے مرتے ہم

دکھ سخت دراڑوں کے
چشمے ہیں کہ آنسو ہیں
خاموش پہاڑوں کے

مستول جہازوں کے
تنہائی سمندر کی
پر ناپیں قازوں کے

بارش میں ستائے گی
خوشبو تجھے مٹی کی
کبھی یاد تو آئے گی

تار آئی کراچی سے
تابوت نہ آئے پھر
دکھ جائی کراچی سے

مٹی کا کھلونا ہے
ہے کھیل گھڑی پل کا
پھر بیٹھ کے رونا ہے

''باغوں میں پڑے جھولے''
ماہیے کی قسم لے لو
حسرت کو نہیں بھولے

☆ چراغ حسن حسرت

Dr. Satya Pal Anand

تیز ہوا میں جنگل مجھے بلاتا ہے

فرشی نقش گر ہے، پیکر تراش ہے، مورتی کار ہے۔ اس کی پیکر تراشی کا فن بھی انوکھا ہے۔ اس کے طریق کار میں تصویری پیکر غیر متوازن تصدیق، تکرار، رد و نفی یا اثبات و قبولیت کی حالتوں میں باہم دست و گریباں نظر نہیں آتے، بلکہ ایک ہموار اور متوازن نامیاتی اکائی اور آمیزش کا تاثر پیش کرتے ہیں۔ ناقدین غزل نے جس صنعت کو لف و نشر کہا ہے۔ اس کی مرتب صورت اس کی نظموں کے پیکروں کی پہچان بنتی ہے۔ یہ طریق کار، یعنی Transparent پیکر سے چلتے ہوئے استعارے کا تہہ در تہہ، ہمہ جہت سمبل میں بدل جانا اس کی سبھی نظموں کا امتیاز ہے۔ مجھے نقش گری کا یہ فن بہت پسند ہے، جس میں ایک مرکزی امیج کی تشکیل و تدوین کے عمل میں پے در پے نقوش کے ابھرنے کا منظر نظر آتا ہے۔ اس مرکزی امیج کی تلاش میں سرگرداں حشو زوائد، افراط و تفریط کی خاردار جھاڑیوں سے دامن بچاتے ہوئے جب فرشی تشکیل کے آخری مرحلے تک پہنچتا ہے تو نظم ایک ارفع اعتبار معنی کی حامل ہو جاتی ہے۔ علی محمد فرشی امیجسٹ ہے، لیکن اس کے ہاں امیج سے آگے جانے اور معنی کی تہہ در تہہ سطحوں پر اس امیج سے آخری قطرہ تک نچوڑ لینے کی قدرت موجود ہے۔

(ڈاکٹر ستیہ پال آنند)